© rasailojaraid.com

کریں اور اس کی روشنی میں یہ طے کریں کہ آیا جمہوری نظام حکومت میں عورت کا حکمرانی کے منصب پر فائز ہونا اس ممانعت کے تحت آتا ہے یا نہیں۔

بہر حال اس ضمنی اشکال سے قطع نظر، آپ کے مذکورہ ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے میری اس گزارش سے بھی اصولی طور پر اتفاق فرما لیا ہے کہ کسی بھی دور میں علما وفقہا کا اجماع واتفاق اصلاً اس عملی صورت حال کے تناظر میں ہوتا ہے جو ان کے سامنے ہوتی ہے اور وہ اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے نصوص کی کوئی مطلق اور ابدی نوعیت کی نہیں، بلکہ ایک عملی اور اطلاقی تعبیر پیش کرتے ہیں، اور یہ کہ اگر بعد کے زمانوں میں عملی صورت حال میں تغیر پیدا ہونے یا کوئی نیا امکان سامنے آنے پر کوئی نئی رائے قائم کی جائے تو اسے سابقہ 'اجماع' کی مخالفت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر میں آپ کی بات کا مفہوم درست سمجھا ہوں تو میری ناقص رائے میں ہمارے مابین زیر بحث نکتے کے حوالے سے کوئی اصولی اختلاف باقی نہیں رہ جاتا، اس لیے کہ میں نے ''حدود وتعزیرات'' میں جتنے بھی مسائل، مثلاً دیت کی مقدار، ارتداد کی سزا اور اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی قانونی حیثیت وغیرہ سے متعلق سابقہ فقہی اجماع سے مختلف رائے قائم کی یا ایسی کسی رائے کو قابل غور قرار دیا ہے، وہ اسی تناظر میں ہے کہ فقہا کی آرا اپنے دور کے معروضی حالات کے تناظر میں درست تھیں، لیکن اب حالات کی سیاسی، قانونی اور تمدنی نوعیت تبدیل ہو چکی ہے، اس لیے ان امور میں متعلقہ نصوص پر از سر نو غور کر کے اجتہادی نقطہ نظر اپنانے کی ضرورت ہے۔ آپ ان میں سے ہر رائے سے اسی طرح علمی اختلاف کر سکتے ہیں جیسے آپ یقیناً مولانا تھانوی کی مذکورہ رائے سے کرتے ہوں گے، لیکن اگر مولانا تھانوی کی رائے 'اجماع' کے خلاف نہیں تو میری گزارشات پر بھی ''اہل سنت کے علمی مسلمات کو پامال کرنے'' کا الزام رکھ کر 'نہی عن المنکر' کا فریضہ انجام دینے کا کوئی علمی، شرعی اور اخلاقی جواز نہیں۔

میں آپ سے پھر امید رکھتا ہوں کہ آپ اپنی نیک دعاؤں میں مجھے یاد فرماتے رہیں گے۔

محمد عمار خان ناصر

۱۸/ مارچ ۲۰۰۹

(۳)

محترم جناب مدیر الشریعہ

السلام علیکم! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

ماہنامہ 'الشریعہ' مارچ ۲۰۰۹ء کے شمارہ میں 'چہرے کا پردہ: واجب یا غیر واجب؟' کے نام سے ایک کتاب پر کسی ڈاکٹر صاحب کا تبصرہ شائع ہوا۔ ان ڈاکٹر صاحب نے بد دیانتی اور صریحا کذب کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کتاب کے مصنفین میں میرا نام بھی ڈال دیا حالانکہ اس شائع شدہ کتاب کے سرورق پر صرف پروفیسر خورشید صاحب کا ہی نام ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ صرف پروفیسر خورشید صاحب کی ہی کتاب ہے۔ میرا اس کتاب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں ایسا ضرور ہے کہ میرے کچھ سابقہ مضامین میری اجازت اور مرضی کے بغیر اس کتاب میں شامل کیے گئے جبکہ میرے ان مضامین کی میری اجازت کے بغیر اشاعت ایک غیر قانونی، غیر اخلاقی اور غیر شرعی حرکت تھی۔ جب میں نے اس بارے میں 'دار التذکیر' کے مالک احسن تہامی صاحب سے رابطہ کیا کہ میرے کچھ مضامین آپ کے ادارے کی شائع شدہ کتاب میں میری اجازت کے بغیر کس طرح شائع ہو گئے تو انہوں نے کہا: ان سے غلطی ہو گئی ہے اور انہوں نے اس معاملے میں اصل اعتماد پروفیسر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خورشید صاحب پر کیا تھا۔ دوسرے دن میری پروفیسر صاحب سے جب ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی کہا: کہ مجھے کسی ایسے قانون کا علم نہ تھا' میں تو آپ کے ان مضامین کو پبلک پراپرٹی سمجھتا تھا لہذا آپ مجھے عدالت کسے جس کٹہرے میں کھڑا کرنا چاہیں میں کھڑا ہونے کو تیار ہوں۔ جواباً میں نے انہیں عرض کیا: میں نے اپنے ان مضامین کو تصحیح وتہذیب' حک واضافہ' تنقیح وتخریج' اسلوب بیان کی کئی ایک بنیادی تبدیلیوں سے گزارنے کے بعد ایک کتابی شکل دے دی ہے اور وہ قرآن اکیڈمی کے مکتبہ میں زیر طبع ہے اور ہر مصنف ایسا کرتا ہے اور یہ اس کا بنیادی حق ہے۔ اس پر پروفیسر صاحب نے حیرانی کا اظہار فرمایا اور مجھے کہنے لگے آئندہ اس کتاب کی اشاعت نہیں ہوگی اور اب بھی جو اشاعت ہوگئی ہے تو اس کتاب کو کس نے پڑھنا ہے؟ لہذا آپ زیادہ پریشان نہ ہوں۔ 'دار التذکیر' یا پروفیسر صاحب کے اس معذرت خواہانہ رویے کے بعد میرے خیال میں اس مسئلے میں کوئی قانون چارہ جوئی کرنا اعلیٰ اخلاق کے منافی تھا' اگرچہ ان حضرات کی اس غلطی کا خمیازہ مجھے اس صورت میں بھگتنا پڑ رہا ہے کہ جیسے پنساریوں کو بھی میڈیکل سائنس کی کسی کتاب پر تبصرے کا موقع ہاتھ آ گیا ہو۔

پاکستان میں ان ڈاکٹروں کا علمی معیار کیا ہے' جو گاہے بگاہے تحقیقات اسلامیہ پر تبصرے فرماتے رہتے ہیں' اس پر لکھنے کے لیے ہمارے پاس بہت کچھ ہے لیکن شاید یہ مختصر خط اس کا متحمل نہ ہو۔ پھر بھی از راہ تفنن ایک دو واقعات کا تذکرہ کیے دیتا ہوں۔ پنجاب کی ایک معروف یونیورسٹی کی بورڈ آف ایڈوانس سٹڈیز کی میٹنگ جاری تھی۔ تمام ڈیپارٹمنٹس کے چیئرمین اور فیکلٹی ڈین بیٹھے تھے۔ علوم اسلامیہ وعربیہ کے ایک طالب علم نے اپنے پی ایچ ڈی کے خطہ البحث (synopsis) بعنوان 'الاسرائیلیات فی الخازن' کا تعارف (presentation) کمیٹی کے سامنے کروانا تھا۔ 'خازن' قرون وسطیٰ کی ایک عربی تفسیر کا نام ہے جس میں اسرائیلی روایات کافی درج ہیں۔ ان اسرائیلی روایات کی چھان پھٹک اس مقالے کا موضوع تھا۔ ایک پی ایچ ڈی ڈاکٹر، جن کا مقام ومرتبہ اگر لوگوں کی نظر میں دیکھنا ہو تو شاید انسان کے سر کی ٹوپی گر جائے' اس مقالے کے تعارف (presentation) سے پہلے ہی synopsis پر ایک اچٹتی نظر ڈالتے ہیں اور زور سے سامنے کی میز پر پھینکتے ہوئے کہتے ہیں: اسرائیل پر کام ہو رہا ہے اور اسرائیل کا نقشہ تک موجود نہیں ہے۔

اسی طرح راقم الحروف نے جب ایک معروف یونیورسٹی میں اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ بعنوان 'الاجتھاد الجماعی فی العصر الحدیث: دراسة و تحلیلا' کے بارے میں اس یونیورسٹی کے بورڈ آف ایڈوانس سٹڈیز کی میٹنگ میں presentation دی تو اس وقت کے علوم اسلامیہ کے ڈین کی طرف سے اس موضوع کے عنوان پر یہ اعتراض اس میٹنگ میں سامنے آیا کہ اجتہاد تو ہوتا ہی اجتماعی ہے، انفرادی اجتہاد کس نے کیا ہے۔ جب راقم الحروف نے ڈین صاحب کو اس حوالے سے مطمئن کرنے کے لیے امام مالک' امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کی مثالیں دیں کہ وہ تو انفرادی اجتہاد ہی کرتے تھے تو انہوں نے بس اتنا کہنے پر اکتفا کیا: کہ جو اجتہاد انفرادی طور پر ہوتا ہے، اسے قیاس کہتے ہیں اور جو اجتماعی طور پر ہوتا ہے اسے اجتہاد کہتے ہیں، لہذا آپ اپنے مقالے کے عنوان سے اجتماعی کا لفظ حذف کر دیں۔ اور ساتھ ہی وائس چانسلر صاحب نے ڈین صاحب کے اعتراض کو valid قرار دیتے ہوئے ان کی ہدایات کے موافق راقم الحروف کو اپنے synopsis میں تبدیلیاں کرنے کا حکم جاری فرما دیا۔ دین کا حقیقی و پختہ علم کم از کم پاکستان کی سرکاری تعلیمی اداروں کی ڈاکٹریٹ کی ڈگریوں سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہ سرکاری ادارے دینی تعلیم کے پنساری تو پیدا کر سکتے ہیں لیکن حقیقی معنوں میں دینی ڈاکٹر نہیں الا ماشاء اللہ۔ لہذا اگر ایک پنساری میڈیکل سائنس کی کسی کتاب پر تبصرہ کرنے بیٹھ جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو ایک ڈاکٹر کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟ کیا وہ اس کا جواب دینے بیٹھ جائے؟

بہر حال میں نے آج سے تقریباً چار پانچ ماہ پہلے 'دار التذکیر' کے مالک احسن تہامی صاحب کو درج ذیل خط لکھا:

''محترم جناب محمد احسن تہامی صاحب

السلام علیکم! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ 'دار التذکیر' نے حال ہی میں ''چہرے کا پردہ: واجب یا غیر واجب'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ اس کتاب کو پروفیسر خورشید صاحب نے مرتب کیا ہے اور یہ کتاب پروفیسر صاحب کے ان مضامین پر مشتمل ہے جو ماہنامہ 'اشراق' اگست ۲۰۰۵ء' جون' اگست' ستمبر اور اکتوبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے اپنی اس کتاب میں چہرے کے پردے کے حوالے سے ماہنامہ 'حکمت قرآن' اگست ۲۰۰۵ء' جنوری' فروری' مارچ' اپریل' مئی' جون اور اکتوبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہونے والے میرے کچھ مضامین بھی شامل کر دیے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ مضامین پروفیسر صاحب کے ساتھ ایک علمی مکالمے کی صورت میں 'اشراق' اور 'حکمت قرآن' میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب اور نہ ہی 'دار التذکیر' کے مالکان نے مجھ سے میرے ان مضامین کی اشاعت کی اجازت نہ زبانی طلب کی تھی اور نہ ہی تحریری طور پر۔ 'دار التذکیر' کا میری اجازت کے بغیر میرے نام سے میرے سابقہ مضامین کو کتابی شکل میں شائع کرنا اخلاقاً اور شرعاً ایک نامناسب طرز عمل تو ہے ہی' قانوناً بھی ایک جرم ہے۔ 'دار التذکیر' کو چاہیے کہ مستقبل میں وہ اس کتاب کی مزید اشاعت بالکل بھی نہ کرے اور جو اشاعت ہو چکی ہے اس کی فروخت بھی فی الفور بند کر دے ورنہ مصنف 'دار التذکیر' کے مالکان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

ضمناً میں یہ بھی بتا تا چلوں کہ 'دار التذکیر' کی اس کتاب کی اشاعت سے تقریباً ایک سال پہلے ہی میں حکمت قرآن میں شائع ہونے والے اپنے مضامین کو ایک کتاب کی صورت دے چکا تھا جو کہ مکتبہ انجمن خدام القرآن' لاہور کے تحت طبع ہوئی تھی۔ میں نے 'حکمت قرآن' میں اپنے چھپنے والے مضامین کو کتابی شکل دینے کے لیے بہت حد تک تنقیح وتہذیب اور حک واضافہ کیا ہے۔ مثلاً

۱۔ اس میں بھی بہت سے اضافے کیے گئے ہیں خاص طور پر علامہ البانیؒ کی کتاب 'جلباب المرأة المسلمة' میں بیان کردہ احادیث وآثار کا تفصیلی جواب دیا گیا ہے۔

۲۔ پروفیسر صاحب کے 'اشراق' میں چھپنے والے چھ مضامین میں شامل تمام دلائل کا جواب بھی ان کا نام لیے بغیر اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

۳۔ پروفیسر صاحب کی بعض جزوی تنقیدوں سے اتفاق کرتے ہوئے بعض آرا میں رجوع کیا گیا ہے۔ (یہی سلف صالحین کی بھی روایت ہے۔ خلفائے راشدین' تابعین اور ائمہ سلف سے یہ بات کثرت سے ثابت ہے کہ بعض اوقات اپنے موقف' دلیل یا طریق استدلال کی غلطی واضح ہونے پر فوراً رجوع فرما لیتے تھے۔ یہی ایک عالم دین کی شان ہونی چاہیے۔ جس شان سے وہ اپنے موقف کا اظہار کرتا ہے، اسی عظمت سے وہ غلطی کا احساس ہونے پر اس سے رجوع بھی کر لے' لیکن آج کل کے پست معاشرے اور گھٹیا ذہنیت نے اس عظیم اخلاقی قدر کو بھی ایک معاشرتی برائی بنا دیا ہے)

© rasailojaraid.com